AL-ADWĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

انتظار حسین کے کالموں میں تہذیبی و سیاسی عناصر

Cultural and Political Elements in the Columns of Intazar Hussain

*قربان علی
**پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر

Abstract:

Intazar Hussain being the most prominent Urdu column writer of his age introduced novel metaphors in political and cultural canvas of Asia. The focus of this article is to explore the vision of Intazar Hussain regarding reflection of Civilization and political vision through columns. His effort to bridging the gap between cultural folk tales and religion is marvelous which is highlighted in the article. Intazar Hussain found his voice early in his literary career in depicting characters that were in search of an identity and lost dreams. But migration is a theme of world literature and with conflicts making it a global issue.

Key words: Column, Journalism, Intazar Hussin, Political, Cultural, Contemporary Consciousness, Islamic History

کلیدی الفاظ: کالم ، صحافت، انتظار حسین، سیاسی، تہزیبی، عصری شعور، اسلامی تاریخ

مطبوعہ صحافت میں کالم نگاری کا فن عروج پر پہنچ چکا ہے بعض قارئین صرف کالم کے مطالعہ کیلئے اخبارات خریدتے ہیں۔ کالم کسی اخبار میں مستقل عنوان کے تحت شائع ہونے والی با تصور تحریر ہے ، جس میں کسی فردِ واحد کا نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نقطہ نظر کسی مسئلے اور تازہ ترین صورتحال سے متعلق ہوتا ہے۔ کالم کے لغوی معنی "ستون"، "کھمبا"،"مینار" یا "صفحے کا حصہ" کے ہیں۔ اس کے علاوہ کالم سے فوج کی قطار بھی مراد لی جاتی ہے۔ اردو کالم نگاری کی بات کی جائے تو ابوالکلام آزاد اس سلسلے میں بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئے۔ ان کے بعد عبدالمجید سالک،ظفر اقبال، نا صر زیدی، امجد اسلام امجد، محمد اظہار الحق،خالدمسعودخاں، مستنصر حسین تارڑ، سعود عثمانی، جاوید چوہدری ،حسن نثار ،عباس اطہر ،انور مسعود اور انتظار حسین وغیرہ نے کالم کی روایت کو مزید مستحکم کیا ہے۔انتظار حسین نے جس طرح دیگر اصناف ادب میں اپنی حیثیت کا لوہا منوایا ہے ،اسی طرح کالم نگاری بھی ان کی ایک شناخت بن چکی ہے۔ انھوں نے آفاق،مشرق، لیل و نہار، ایکسپریس میں اردو کالم لکھے، جبکہ Civil Military Magazine،Frontier Post اور Daily Dawn میں ان کے انگریزی کالم شائع ہوئے۔ ان اخبارات کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد میں بھی ان کے کالم شائع ہوتے

AL-ADWĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

*پی ایچ ڈی اُردو(سکالر) اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور
**صدر شعبہ اُردو ،اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

رہے ۔لیکن روزنامہ "مشرق" میں ان کے کالموں کا سفرپچیس سال تک جاری رہا۔مشرق کے کالموں کا انتخاب "ذرے"کی صورت میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ا س کے علاوہ "ملاقاتیں"،"بوند بوند"، "قطرے میں دریا "اور "قصہ کوتاہ" ان کے کالموں کے دیگر مجموعے ہیں۔انتظار حسین کی زندگی کا ایک بڑا حصہ لاہور میں بسر ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کالموں میں لاہور شہر کی تصویروں کے مختلف رُخ موجود ہیں۔ان میں ادبی مجلسوں کا آنکھوں دیکھا حال، رفتگاں کے نوحے،بدلتے فیشن کا احوال، اہم شخصیات سے ملاقاتیں ، سیاست، فن، آرٹ، موسموں کی تبدیلی، کلچر کا زوال، سقوط ڈھاکہ کی کہانی اور ٹی ہاؤس کی رونقوں کے نقوش جا بجا نظر آتے ہیں۔اس کے علاوہ انگریزی کالموں میں اہم ادبی شخصیات سے ملاقا ت اور کتابوں پر تبصرے پڑھنے کو ملتے ہیں۔انتظار حسین کے اردو کالم اپنے موضوعات کی بناء پر انگریزی کالموں سے سبقت لے جاتے ہیں۔اس ضمن میں یونس حسن لکھتے ہیں:

> "انتظار حسین نے صحافت کے میدان میں بھی خدمات سر انجام دیں۔ان کی صحافت کا سفر پچھلے ساٹھ سالوں پر محیط نظر آتا ہے۔انھوں نے مختلف اخبارات میں مسلسل کالم لکھے۔انھوں نے "لاہور نامہ" کے عنوان سے روزنامہ "مشرق" میں ایک طویل عرصےتک کالم لکھا، اس کالم کے ذریعے جہاں انھوں نے حالات حاضرہ کو اپنے کالم کا موضوع بنایا وہاں لاہور ، اس کی تہذیبی، سماجی، ثقافتی اور تمدنی زندگی اور یہاں کی عملی و ادبی سرگرمیوں کو اپنا موضوع بنایا۔ گویاان کا کالم لاہور اور اہلِ لاہور کی زندگی کا وہ آئینہ ہے جس کے اندر لاہور کے پچھلے ساٹھ سالوں کی تاریخ موجود ہے۔" (۱)

انتظار حسین ایک حساس ادیب تھے جس کی وجہ سے انہیں فطرت کی ہر چیز عزیز تھی ۔درختوں اور پرندوں کے ساتھ ان کا یارانہ بڑا پرانا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا بچپن درختوں اور پرندوں سے موانست میں گزرا ہے۔انتظار حسین جب کسی درخت پر آرا چلتا دیکھتے ہیں توانھیں ایک اچھے دوست کی محرومی کا احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کالم اس درد کو واضح کرتا ہے جو ان کے باطن میں موجود ہے۔ ان کے خیال میں انسانوں کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے، وہ ان درختوں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔درختوں کے حقائق میں کوئی مظاہرہ تک نہیں ہوتا مگر انتظار حسین جس کرب میں مبتلا ہوتے ہیں اسےضرور رقم کرتے ہیں۔ اپنے کالم" درخت کی شہادت" میں اس درخت کی درماندگی کا رونا روتے ہیں جو توسیع شہر کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ یہ درخت یونیورسٹی کا امین تھا مگر بے حس لوگوں کو اس کا وجود ایک آنکھ نہ بھایا۔

> "پنجاب یونیورسٹی کے سر سےاس بزرگ کا سایہ اٹھ گیا ہےیہاں گیٹ کے برابر ایک اونچا گھنا درخت بہت زمانے سے کھڑا تھا۔ اس یونیورسٹی میں بہت سے وائس چانسلر آئے اور چلے گئے مگر یہ وائس چانسلر اپنی ایک وضع کے ساتھ قائم تھا اور یونیورسٹی کی باوقار روایت کا حصہ بنا ہوا تھا۔اس ہفتے عجب

AL-ADWĀ الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

افتادپڑی کہ سڑک کی توسیع کی فکر کرنے والوں نے اس پر آراچلایا اور اس صاحب منزلت مقتول کی لاش کئی دن تک مال روڈ پر پڑی رہی۔"(۲)

تہذیب کا زوال انتظار حسین کے کالموں کا ایک اہم موضوع ہے ۔اسی وجہ سے وہ ماضی میں ڈبکیاں لگاتے ہیں اور گمشدہ چیزوں کا موازنہ حال کی اشیاء سے کرتے ہیں ۔ماضی کی ہر چیز انہیں پسند ہے، جب حال میں انہیں وہ نظر نہیں آتی تو ان کا دل رنجیدہ ہو جاتا ہے ۔انتظار حسین اس وقت کو ذہن میں لاتے ہیں، جب ٹھنڈک کا سامان پیدا کرنے کے لیے ریت اور خس کی ٹٹی کا سہارا لیا جاتا تھا۔ گرمیوں میں ریت پر پانی کا چھڑکاؤ ہوتا تھا جس سے کمرے میں گرمی کم لگتی تھی۔اس طرح خس کی ٹٹی میں جو مہک موجودتھی ، وہ ہوا کے ساتھ ساتھ گھر کے مکینوں کو سُلا دیتی تھی۔ انتظار حسین کے خیال میں اس تہذیب کا خاتمہ بجلی کے پنکھوں اور ایئرکنڈیشن کی بدولت ہوا۔یہ سہولتیں اب جا بجا ہیں، ان کے آنے سے انسان کی زندگی بدل گئی ہے مگر وہ خوشبو ندارد ہےجوخس کی ٹٹی سے پیدا ہوتی تھی۔صنعتی تہذیب نے ہمارے روایتی ماحول کو سلب کرلیا ہے ۔انتظار حسین خس کی ٹٹی کی گمشدگی پر نالاں نظر آتے ہیں۔

"مگر پھر بجلی کا پنکھا آگیا۔جھالر والا پنکھا رخصت ہو گیا۔مگر خس کی ٹٹی نے بجلی کے پنکھے کے ساتھ بھی کسی نہ کسی حد تک گزارا کیا۔مگر بجلی کے پنکھے جتنے عام ہوئےخس کی ٹٹی زوال کرتی چلی گئی۔ایئر کنڈیشننگ نے خس کی ٹٹی کے تابوت میں آخری کیل گاڑھی۔یوں بھی ایئر کنڈیشننگ اس شہر میں عام نہیں ہے ۔محض اس کے تصور سے خس کی ٹٹی کوہم نے فالتو قرار دے دیا ہے۔" (۳)

انتظار حسین جس تہذیب کی بازیابی چاہتے ہیں اس کا سرا انھیں دور تک کہیں نظر نہیں آتا ۔ان کے نزدیک انگریزی تہذیب نے ہماری تہذیب کا قلع قمع کر دیا ہے ۔یہ انگریزی تہذیب اپنی تابانیوں سے ملک میں فروغ توپا سکتی ہے ،مگر ہماری آنکھوں کو خیرہ نہیں کرسکتی ۔آج ہمارے باغوں میں گوں نہ گو ں پھول تو کھلے نظر آتے ہیں مگر ان میں خوشبو ناپید ہے۔انگریزی پھول اپنی خوبصورتی سے دلوں کولبھانا چاہتے ہیں لیکن خوشبو کی عدم دستیابی نے ان کی شہرت کو بٹہ لگا دیا ہے۔ ہمارے باغیچوں میں سے چنبیلی کے پھول کی گمشدگی بھی انتظار حسین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہےچنبیلی جسے قومی پھول کا درجہ ملا تھا، ہمارے جدت پسند طبقے نے اس سے مخاصمت برتی اور اپنے باغیچوں سے اسے معدوم کر دیا۔ان کا یہ قبیح فعل قومی شعور کے منافی ثابت ہوا۔ انتظار حسین کا دل چنبیلی کے پھول کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک پر کڑھتا رہا ، کیونکہ وہ اسے بہار کاایک تحفہ اور قومی تہذیب کی علامت سمجھتے تھے۔ جس کی بدولت گھر کا آنگن مہکتا تھا، مگر بدیسی پھول کی آمد نے ہمیں تہذیب کی روایت سے بعید کر دیا ہے ، گویا چنبیلی کے پھول کی گمشدگی کے ساتھ ہماری شناخت بھی لا پتہ ہو چکی ہے۔انتظار حسین کو پھولوں کی موجودہ تہذیب میں اپنایت نظر نہیں آتی، وہ اسے کلچر کا زوال تصور کرتے ہیں۔

"تہذیبیں اپنے پھولوں سے پہچانی جاتی ہیں مگر پاکستان کی نئی تہذیب انگریزی پھولوں سے پہچانی جاتی ہے۔ اجلے مہکتے پھول ہوا اور مٹی کے ایک مخصوص رنگ انسانوں کے ایک مخصوص مزاج کے نمائندے ہیں۔اب یہ سب پھول سر جھکا چکے ہیں اور چنبیلی جسے قومی پھول قرار دیا گیا تھا ہمارے درمیان سے یوں گم ہے جیسے قومی شاعر گم ہو۔ اب بے خوشبو رنگ برنگے انگریزی پھول نئے بھڑ کیلے لاہور کی بہار ہیں۔"(۴)

AL-ADWĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

انتظار حسین اپنے کالموں کے ذریعے ہمارے انفرادی رویوں کو بھی واضح کرتے ہیں ۔ان کے خیال میں آج کا انسان معاشرے میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس کے رہنے سہنے کے انداز تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں میں طبقہ اشرفیہ کوموردالزام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس طبقےنے باورچی خانوکاماحول تبدیل کر دیا ہے ۔اب سے کچھ سال قبل رسوئی میں سے جب دھواں نکلتا تھا تو پتہ چل جاتا تھا کہ یہاں کوئی اقامت پذیر ہے ۔اس وقت کپڑے ہاتھوں سے دھوئے جاتے تھے مگر آج کے مشینی دور نے انسان کو جن آسائشات سے نوازا ہے ان کی موجودگی میں گھر سائیں سائیں کرتے ہیں۔مزید براں ان گھروں میں رہنے والے بچے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔بچوں پر پر بے جا پابندیاں لگا دی جاتی ہیں کہ مٹی سے دور رہے۔ ایک عرصہ پہلےمائیں بچوں کو زمین پر چھوڑ کر کام کاج میں مصروف ہو جایا کرتی تھیں، بچہ جب مٹی میں کھیلتا تھا تو تندرست و توانا بن جاتا تھا ۔انتظار حسین کے نزدیک طبقہ اشرفیہ روایات سے جتنا دور ہو گیا ہے اتنا ہی مسائل کا شکار بنا ہے۔معاشرے کے دوسرے افراد سے لاتعلقی نے انہیں خود غرض بنا دیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے بچوں کی دلچسپی کے سامان گھرمیں بنا لیے ہیں۔ مگر تنگ ماحول نے ان گھروں کے بچوں کو لاغر کردیا ہے ۔انتظار حسین اس گھریلو ماحول کا رونا ان الفاظ میں روتےہیں:

> "باورچی خانوں میں سے دھواں کیونکر اٹھے کہ بجلی کےچولہے جل گئے اور باورچی خانوں کی ساخت بدل گئی اور کپڑے ان گھروں میں دھوئے بھی جاتے ہیں تو وہ اس طرح نہیں سکھائے جاتے کہ آتے جاتے لوگ انھیں دیکھیں ۔مگر سب سے تعجب کی خیز بات یہ ہے کہ یہاں بچے کسی صورت نظر نہیں آتے نہ کھیلتے ہوئے نہ لڑتے ہوئے اور نہ روتے بسورتے ہوئے ۔اس دیس کے بچے صدیوں سے مٹی میں لوٹتے پوٹتے چلے آرہے ہیں۔ بوڑھی عورتیں اس کی حکمت یہ بتایا کرتی تھیں کہ مٹی سے بچے کا جسم فربہ ہوتا ہے مگر جی اوآر کے علاقہ میں مٹی کہیں نہیں ہے۔"[۵]

ذرائع آمدورفت نے جہاں پوری دنیا کو ایک دوسرے کے نزدیک کر دیا ہے وہاں اس کے شور اور دھوئیں سے ماحول بھی آلودہ ہو چکا ہے ۔ انتظار حسین نے اپنی زندگی میں اکوں، تانگوں اور ٹم ٹم سے سفر کا مزہ بھی چکھا تھا۔ لہٰذا جدید ذرائع نقل و حمل میں انہیں وہ تشفی نظر نہیں آتی ۔دوسری اہم بات ان کے خیال میں وہ خاموشی ہے جس کا وجود اب فنا ہو چکا ہے۔ خاموشی نے انسان کے مرتبے میں اضافہ کیا، مگر وہی خاموشی آج ذرائع آمدورفت کے شور تلے دب کے رہ گئی ہے۔خاموشی سے انسان کے باطن کا سراغ لگایا جاتا تھا، کیونکہ اس کا تعلق انسان کی ذات سے جڑا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے جنگلوں میں خاموشی کے باعث مخلوق آ سودہ حال تھی ۔علاوہ ازیں بستیوں میں مقیم افراد بھی مرفہ الحال تھے،لیکن انسان کی سعی لاحاصل اور ٹریفک نے بستیوں اور جنگلوں سے سکون چھین لیا ہے۔ انتظار حسین کو اس بات کا قلق ہے کہ جب انسان کا سابقہ دشت و در کی خاموشی سے پڑا تھا تووہ ارتقا کی منزلیں طے کرتا چلا گیا، مگر جونہی خاموشی نے ا اپنا بستر گول کیا تو وہی انسان بے چینی میں مبتلا ہوگیا۔اگرچہ جدید ذرائع آمد و رفت سے میلوں کی مسافتیں طے ہوگئی ہیں مگر فطرت کا سکون برباد ہو گیا ہے۔

> "دشت و در کی خاموشی نے آدمی کو ڈرایا بھی بہت اور مالا مال بھی بہت کیا۔ دشت و در کی خاموشی نے پیغمبر پیدا کیے۔ حکیم و دانا پیدا کیے۔خاموشی آدمی کیلئے بہت بڑا چیلنج تھی۔ اس میں اسے اپنی ذات کم ہوتی نظر آتی تھی۔ اپنی ذات

AL-ADWĀ الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

بر قرار رکھنے کی کوشش تخلیقی عمل بن گئی۔خاموشی نے آدمی کوفلسفہ حکمت سے نوازا، شاعری کی دولت بخشی، عشق سے مالا مال کیا۔ رکشا، موٹر سائیکل،ریل گاڑی، ہوائی جہاز،خلائی جہاز،راکٹ،آدمی اب شور کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔جنگل اب سائیں سائیں نہیں کرتےاور بستیوں کے دن رات اب خاموش نہیں ہیں۔" [۶]

انتظار حسین اپنے کالموں میں طنز کے نشتر بھی چلاتے ہیں۔ یہ طنز زیادہ تر آج کل کے فیشن اور مشرقی حیاء سے کنارہ کشی کو نشان زد کرتا ہے۔ خواتین میں دوپٹے کی تبدیلی انہیں کشیدہ خاطر کر دیتی ہے۔ انہیں اس دوپٹے سے سخت نفرت ہے جو خواتین کے سر پر نہیں ٹھہرتا۔ دوپٹہ ہماری مشرقی حیا کا ضامن ہے ،لیکن عصرِحاضر میں خواتین اب صرف اسے فیشن کی حد تک گلے کا ہار بناتی ہیں اس سے پردے کاکام لینا انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ انتظار حسین فیشن کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ عورت کی اصلاح چاہتے ہیں۔ عورت کے فیشن میں جو بات انہیں ناگوار گزرتی ہے اس کا اظہار برملا کرتے ہیں۔معاشرے میں تہذیبی اقدار کا فروغ ان کاکلیدی نقطہ نظر ہے ۔انتظار حسین معاشرے میں ایسی قدروں کا نفاذ نہیں چاہتے ہیں جو ہمیں روایت سے بیگانہ کر دیں۔

"چنا ہوا دوپٹہ سر اور سینے کو ڈھانپتا تھا جب یہ دو پٹہ غائب ہوا اور پٹی کی صورت والا دوپٹہ آیا تو سر کو ڈھکنے کا تصور غائب ہوگیا ۔دوپٹہ کیسا بھی ہو وہ سر پر نہیں سجتا۔ سر پر دوپٹہ سجانے کی روایت فراموش تو نہیں ہوئی ہے مگر اس کی تھوڑی سی تخصیص ہو گئی ہے۔اب دوپٹہ اذان کی آواز اور قرات کے ساتھ سرپر سجتا ہے اور باقی اوقات میں وہ سر پر ہار نہیں بنتا، کاندھوں کی زینت ہوتا ہے۔" [۷]

انتظار حسین کا عصری شعور نہایت بالیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ عصری مسائل کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔اکیسویں صدی جیسے ہی شروع ہوئی ہمارے ملک میں دہشت گردی کے بادل منڈلانے لگے۔ اس سلسلے میں ٹارگٹ کلنگ، خودکش دھماکے، اغواءاور ڈکیتی نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ پاکستان کا وقار بھی عالمی سطح پر گیا ہے لیکن آئے روز ہونے والے خودکش دھماکوں نے ہمیں نڈر بنا دیا ہے۔ انتظار حسین اپنے کالموں میں ان انفرادپر کاری ضرب لگاتے ہیں جو ان دھماکوں کا ذمے دار امریکہ کو ٹھہراتے ہیں۔ وہ لوگ بجائے ڈھارس بندھانے کے عجیب وغریب تبصروں سےدوسروں لوگوں کو پریشان کر دیتے ہیں۔ انتظار حسین موجودہ دور کا موازنہ اس دور سے کرتے ہیں جس میں انسان کسی کو خون میں غلطاں دیکھتے تھے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ۔ لیکن آج کا انسان "مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ سب آساں ہو گئیں" کا قائل ہے ۔

"وہ زمانہ گیا جب کوئی بڑی واردات ہو جاتی تھی تو خلقت دہل جاتی تھی اور ہفتوں، مہینوں دل دہلےرہتے تھے ۔اب خود کش حملوں نے ہمیں خطروں کے بیچ زندہ رہنے کے آداب سکھا دیے ہیں۔خیر عام خلقت خود کش حملوں کے بعد تھوڑی دیر کے لئے تو ضروردہل جاتی ہے۔داد ان یاروں کوملنی چاہیے جو ایسی واردات کے فوراً بعد ایک ہی راگ دینا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری جنگ نہیں ہے۔ پاکستان امریکہ کی جنگ لڑ رہا ہے ۔ادھر جان سے جانے والوں کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوتی ہے ۔بیوائیں اور یتیم بچے بلک بلک کر رو رہے ہوتے ہیں اور سیاسی مبصرین ثابت کر رہے ہوتے ہیں کہ سرفروش کس طرح امریکہ کے خلاف نبردآزما ہیں۔ پاکستان خواہ مخواہ بیچ میں کُود پڑا ہے۔" [۸]

AL-ADWĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

موجودہ دور میں ہم جن مسائل سے دوچار ہیں، ان میں ایک اہم مسئلہ مہنگائی ہے۔ آئے روز چیزوں کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے۔ انتظار حسین نے بھی اس مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔اس سلسلے میں وہ ان دکانداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں جب کسی چیز کی اہمیت کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو اس کے دام بڑھا دیتے ہیں۔ انسان کی بے بسی دیکھیے کہ اسے چاروناچار وہ چیز خریدنی پڑتی ہے۔ معاش کے چکر میں ہم پس کررہ چکے ہیں، مزید یہ کہ مہنگائی نے ہمیں لاچار کر دیا ہے ۔انتظار حسین اپنےکالم "مٹکے نے بھی اپنا لوہا منوا لیا" میں دکانداروں کے بخیےادھیڑتے ہیں ۔جن میں خلق کا احساس ندارد ہو چکا ہے ۔وہ مجبوری سے فائدہ اٹھانے میں پیش پیش ہیں۔مہنگائی کا یہ وبال انہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "کل شام یہاں پہنچے لیکن جو سب سے بڑی اور دھماکہ خیز خبر سننے کو ملی وہ یہ تھی کہ لاہور میں کم از کم 36 گھنٹے پانی اور بجلی بند رہے گی ۔اس وقت بھاگم بھاگ بازار گئے کہ گھڑے اور مٹکے میں ضرورت کے مطابق پینے کا پانی بھر کر رکھ لیں لیکن دوکانداروں نے جو پہلے ہی اس خبر سے آگاہ تھے مٹکے کے بھاؤ اتنے بتائے کہ ایک اکلوتے مٹکے کا بھاؤ سن کر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ہم نے پھر وضاحت چاہی کہ واقعی ایک مٹکے کی قیمت سات روپے ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا صاحب کہو تو نو روپے، گیارہ روپے اور پندرہ روپےوالا مٹکہ دکھاؤں۔ ہم نے کہا کہ مٹی کے بنے ہوئے ایک مٹکے کی قیمت ہے یا کسی پیتل کی بنی ہوئی گاگر کی قیمت۔ جواب ملا صاحب وہ وقت گیا جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب نہ خلیل خاں ہےاور نہ فاختہ ہی ہے۔ اس لیے آپ سات روپے والا مٹکا لے جائیے اور کل کی فکر کیجئے۔" (۹)

انتظار حسین ایک ایسے بیدار مغزصحافی اور ادیب ہیں ،جن کی تحریروں میں وطن سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان سے متعلق انہوں نے "کاروان جس نے ڈھاکہ سے آغاز سفر کیا تھا"، "ایک پاکستان ،دو پاکستان، پانچ پاکستان" اور "توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا" جیسے معروف کالم تحریر کیے، جن کی ہر سطر میں وہ کرب موجود ہے ،جو ہر پاکستانی کے دل و دماغ کوداغ داغ کر گیا۔ اصل میں انتظار حسین ہجرت کے مسائل سے پہلے ہی دوچار ہو چکے تھے۔ایک سرحد سے کٹ کر دوسری سرحد جانے کا صدمہ انہیں پوری عمر یاد رہا۔لہٰذا پاکستان کا دو لخت ہونا انہیں مزید زخم خوردہ کر گیا ۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کےکالم لاہور کی تہذیبی زندگی کے علاوہ ملکی سیاسی اور جغرافیائی صورتحال کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ادیب چونکہ اسی آب و گل کا پروردہ ہوتا ہے ۔ اپنےعہد کے پرآشوب حالات و واقعات پر اس کی کڑی نظر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تحریر ان واقعات سے مزین ہوتی ہے۔ سقوط ڈھاکہ سے متعلق ان کی حب الوطنی ملاحظہ ہو:

> "زوال ڈھاکہ کی کہانی سن کر لوگ گھروں سے نکل پڑے۔ پہلے ایک سکتہ طاری ہوا ، ایک نے دوسرے کو متحیرنظروں سے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے، کیا ہو سکتا ہے۔پھر آنکھوں میں آنسو امنڈنے لگے بیبیاں بیبیوں کے گھر گئیں پُرسا دیا اور آنچل سین منہ ڈھانپ کر روئیں۔ چائے خانوں میں یوں ہوا کہ قوم کے ساتھ جو دغا ہوئی ہے اس پر غیض و غضب میں

AL-ADWĀ الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

گفتگو کرتے ہوئے کسی کا دل بھر آتا اور آنکھیں ڈبڈبانے لگتیں اور پھر اچانک محفل میں خاموشی چھا جاتی۔"(۱۰)

انتظار حسین جن دوستوں کی منڈلی میں بیٹھتے تھے، وہ بھی اس سانحہ پر خون کے آنسو روئے ۔یہی نہیں بلکہ کچھ دوست تو اس تکلیف کو برداشت نہ کرسکے اور موت کی آغوش میں چلے گئے۔ انتظار حسین نے اپنے کالموں میں اس رد عمل کا ذکر کرتے ہیں، جو اس سانحے کی بدولت سامنے آیا۔ ان کا قلم ملک کی وفاداری کا آئینہ دکھاتا ہے ۔مشرقی پاکستان کے سا نحے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر انتظار حسین نے جس طرح اس المناک سانحے کی تصویر کھینچی ہے وہ لائق تحسین ہے ،کیونکہ تقسیم کاعمل انہیں ادھورا کر دیتا ہے۔

"ایک بوڑھا شخص نسبت روڈ کے بیچ کھڑا روتاتھا اور کہتا تھا کہ لوگو مجھے بتاؤ کہ پاکستان کے ساتھ کیا ہوا، لوگ اس شخص کے گرد جمع ہونے لگے ۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ بوڑھے شخص کو سمجھا رہے تھے مگر وہ بدستور گریاں تھا اور کہتا تھا کہ میں ایک ایک سے پوچھتا پھرتا ہوں کہ کوئی مجھے کیوں نہیں بتاتا۔لوگو!میں کہاں جاؤں اور کس سے پوچھوں کہ پاکستان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"(۱۱)

انتظار حسین اسلامی تاریخ کے روشن پہلو کو بھی کالموں کا موضوع بناتے ہیں نیز اسلامی ملکوں کی سیاسی صورتحال سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ فلسطین میں شبِ معراج کی وہ رات انہیں نہیں بھولتی، جس رات یہودیوں نے ان پر شب خون مارا تھا۔ فلسطین میں مسلمانوں کی حالت زار سے وہ پریشان حال نظر آتے ہیں۔ ہر سال شب معراج کی جو چراغاں ہوتا ہے انہیں اس درد کی یاد دلاتا ہے، جو یہودیوں سے ملا تھا ۔انتظار حسین کے نزدیک مسلمان ایک دوسرے سے مخاصمت برت رہے ہیں۔ اگرچہ فلسطین میں جہادی گروپ نے اپنے علاقے واگزار کرانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، مگر آگ اور خون کا جوکھیل یہاں شروع ہوا تھا، اس کی چنگاری تا حال بھڑک رہی ہے۔ دراصل انتظار حسین مسلمانوں کے اس خواب کا تذکرہ کرتے ہیں جو وہ ہر سال دیکھتے ہیں اور وہ یہ خواب مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خاتمے سے متعلق ہے۔انتظار حسین ایک ایسے ذکی الحسن ادیب ہیں، جو امت مسلمہ کے ہر دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔

"برس کے برس معراج کی شب اس شہر میں اس طور چراغاںہوتا ہے مگر ہاں ۱۹۶۷ء میں جب شب معراج آئی تو شہر میں کوئی چراغاں نہیں ہوا تھا اور مسجد اقصیٰ کے سفر افلاک کا نقطہ آغاز ہے جب یہودیوں کے تصرف میں گئی تھی۔اس سوگوار شب ِمعراج سے آج کی منور شبِ معراج تک عالم اسلامی نے کتنی باریک گھڑیاں گزاریں اور کتنے روشن خواب دیکھے۔ عالم اسلام نے مسجد اقصی سے دھواں اٹھتے دیکھا اور صلاح الدین ایوبی نے فلسطین کے خاکستر سے چنگاری اٹھتے دیکھی ۔اس چنگاری کو شعلہ بنتے دیکھا۔ پھر انہیں فلسطینی فرزندوں کے ساتھ فلسطین میں جہاد کی آگ روشن کر رہے تھے ۔اردن کی سرزمین پر خاک و خون میں غلطاں دیکھا ، ان کے اپنے ان کے دشمن بن گئے۔"(۱۲)

انتظار حسین تہذیب کی تشکیل میں عجلت کے مخالف نظر آتے ہیں ۔ کوئی بھی تہذیب آناًفاناً معرض ِوجود میں نظر نہیں آتی۔ جب تک حالات کے تھپیڑے اور وقت کی بے رحم موجیں اس پر اپنے اثرات مرتسم نہ کر لیں، تہذیب جنم نہیں لیتی۔ تہذیب کی مثال وہ اس عمارت سے دیتے ہیں جو اب قدیم ہو چکی ہے۔ اصل میں انتظار حسین کا موضوع روس میں مارکسی تہذیب کا قیام ہے۔ روس میں

ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

مارکسیت نے ایک عرصہ تک ن نپٹنے کی لا محالہ کوشش کی ہے،مگر اب وہاں اس کا پرچار ہوا ہے۔انتظار حسین کے کالم میں جہاں ادبی تحریکوں کے آغاز کو موضوع بحث بنایا گیا ہے وہاں دنیا میں ابھرنے والی تحریکیں کیسے نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔

" ایک بات اور ہے عمارت نئی نئی ہو تو بس وہ اینٹ گارے کا کھیل ہوتی ہے ۔ مگر جب اس کی دیواروں پر رفتہ رفتہ کاہی جم جاتی ہے اور چڑیاں منڈیر پر بہت بیٹھیں کر چکتی ہیں اور کنکرے آدمی بارش کے تھپیڑے کھا کھا کر تھوڑے بوسیدہ ہو جاتے ہیں ۔ تب وہ عمارت تہذیب بنتی ہے ۔لگتا ہے روس میں مارکیٹ کی عمارت پر کاہی جمنی شروع ہو گئی ہے اور چڑیوں نے منڈیروں پر بیٹھیں کرنی شروع کر دی ہیں۔" (۱۳)

اگرچہ انتظار حسین کی شہرت بہ طور ایک ادبی کالم نگار ہے مگر واضح رہے کہ انھوں نے سیاسی موضوعات کو اپنے کالموں میں جگہ دی ہے ۔سیاست ایک ایسا شعبہ ہے جس سے متعلق ہر فرد کی آراء مختلف نظر آتی ہے۔ انتظار حسین نے بھی اپنے کالموں میں ملکی سیاست کو موضوع بحث بنایا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔سیاست میں وہ کسی کے بخیے ادھیڑنا نہیں چاہتے ۔وہ صرف اشاروں اور کنائیوں کی مدد سے سیاسی موضوعات کو قلم بند کرتے ہیں۔ ان کا موضوع تو ادبی سرگرمیوں کا زوال اور مٹتی قدروں کی کھوج ہے۔لہٰذا سیاست میں ان کی تحریریں میانہ روی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

"انھوں نے سیاسی موضوعات کو بھی گا ہے، گا ہے موضوع سخن بنا یا ہے لیکن ان کے کالم ایسے ہیں جس میں کسی کی پگڑی اچھالنے کا اہتمام کیا گیاہو اورنہ اپنے مخالف کو چٹکی بھرتے ہیں جس پر مخالف کے آنسو نکل آئیں۔"(۱۴)

انتظار حسین کے کالم موضوعات کے علاوہ فنی خوبیوں سے بھی مزین نظر آتے ہیں۔وہ اپنے کالموں میں روز مروں اور محاوروں کا استعمال بھی کرتے ہیں جن کی بدولت ان کا اسلوب جاندار بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اشعار کا استعمال اور فارسی تراکیب کا تذکرہ ان کے کالموں کی اضافی خوبی شمار ہوتا ہے۔ انتظار حسین نے اپنے کالموں میں ماضی کی جس تہذیب کا تذکرہ کیا ہے وہ ہماری ثقافت کی پہچان ہے جس سے رشتہ استوار کرنا ہماری تہذیبی بقا کا ضامن ثابت ہوگا ۔

AL-ADWĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

حوالہ جات

۱۔ یونس حسن، انتظار حسین ایک دبستان، مضمون،مشمولہ، ماہنامہ ادب لطیف، لاہور: جِلد ۸۱، شمارہ۷جولائی ۲۰۱۲ء،ص۲۲۵

۲۔ انتظار حسین، ذرے،لاہور: پاکستان فاؤنڈیشن۱۹۷۶ء، ص۳۷

3۔ ایضاً،ص۵۳۔۵۲

۴۔ ایضاً،ص۶۲

۵۔ ایضاً،ص۷۹

۶۔ ایضاً،ص۸۰۔۷۹

۷۔ ایضاً،ص۷۳

۸۔ انتظار حسین،قصہ کوتاہ، مرتب، آصف فرخی، ڈاکٹر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۲۰۱۷ء، ص۱۰۴

۹۔ انتظار حسین،قطرے میں دریا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۲۰۱۰ء، ص۱۶۴۔۱۶۳

۱۰۔ انتظار حسین،ذرہ، لاہور: پاکستان فاؤنڈیشن، ۱۹۷۴ء، ص۲۶۷

۱۱۔ ایضاً، ص۲۶۶

۱۲۔ ایضاً، ص۸۱۔۸۰

۱۳۔ ایضاً، ص۲۲۹

۱۴۔کوکب، عبدالغفار،ڈاکٹر،اردو میں فکاہی کالم نگاری، ملتان: بیکن بُکس،۲۰۰۷ء، ص۱۵۳